❁❁❁ تقریر ❁❁❁

تقریر بابت اخلاقیات
وقت 5-7منٹ

# حسِّ مزاح، انسان کی چھٹی حسّ اور زندگی کے ہر مقام سے گزرنے کا ہنر

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران 160)

یعنی اللہ کی خاص رحمت کی وجہ سے تُو ان کے لئے نرم ہو گیا اور اگر تُو تند خو (اور) سخت دل ہوتا تو وہ ضرور تیرے گرد سے دُور بھاگ جاتے۔

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے
کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے
پسند آتی ہے اس کو خاکساری
تذلل ہی رہِ درگاہِ باری

(درثمین)

**معزز ساتھیو!** ربِّ کریم نے انسانی وجود کو ظاہری طور پر پانچ حواس سے نوازا ہے۔ دیکھنے، سننے، چُھونے، چکھنے اور سونگھنے کی صلاحیتیں انسان کو اس مادّی دنیا سے روشناس کراتی ہیں۔ مگر ذرا گہرائی میں اُتر کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زندگی صرف ان مظاہر کو دیکھنے، محسوس کرنے اور سمجھنے کا نام نہیں۔ زندگی تو جذباتی، نفسیاتی اور روحانی معرکوں کی ایک مسلسل داستان ہے۔ انسان ہر روز کسی نہ کسی آزمائش سے گزرتا ہے۔ کہیں حالات اسے توڑنے کی کوشش کرتے ہیں، کہیں رشتے اس کے صبر کو آزماتے ہیں، کہیں ناکامیاں اس کے حوصلے پر دستک دیتی ہیں اور کہیں زندگی کے ایسے سوالات سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں جن کا کوئی آسان جواب نہیں ہوتا۔ ان سنگلاخ راستوں پر ثابت قدم رہنے کے لیے ربّ نے انسان کے اندر ایک اَور عظیم صلاحیت ودیعت فرمائی ہے۔ اگر اسے زندگی کی "چھٹی حسّ" کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا اور وہ ہے حسِّ مزاح۔

ہم اپنے ماحول اور معاشرے میں لوگوں سے اکثر یہ سُنتے دکھائی دیتے ہیں کہ "میری چھٹی حسّ یہ کہتی ہے"۔ یہ بات کہنے والے کے گمان پر مشتمل ہوتی ہے جو مدِّمقابل کو تسلّی دینے یا اُس کی بات کو ردّ کرنے کے لئے کہی جاتی ہے۔ اردو ادب کے سب سے بڑے مزاح نگار مشتاق احمد یوسفی نے لکھا ہے کہ "حسِّ مزاح ہی دراصل انسان کی چھٹی حسّ ہے۔ یہ ہو تو انسان ہر مقام سے بآسانی گزر جاتا ہے"۔ اِس فقرے میں پنہاں عظیم سبق ہی میری آج کی تقریر کا عنوان ہے۔

**سامعین!** جب ہم حسِّ مزاح کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد سطحی ہنسی مذاق، فضول، لاپروائی یا کسی کا تمسخر اُڑانا ہرگز نہیں۔ حقیقی حسِّ مزاح دراصل اعلیٰ درجے کی نفسیاتی پختگی، جذباتی توازن اور فکر کی وہ لطافت ہے جو انسان کو زندگی کے تلخ ترین حقائق کا سامنا مسکراتے ہوئے کرنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ یہ مشکل کو معمولی سمجھنے کا نام نہیں بلکہ مشکل کے اندر بھی زندگی کی کوئی روشن کرن تلاش کر لینے کا ہُنر ہے۔ یہ وہ باطنی روشنی ہے جو سنگین سے سنگین بحران میں بھی انسان کو اندر سے بکھرنے نہیں دیتی۔ حالات خواہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں، یہ حسّ انسان کو یاد دلاتی ہے کہ ہر مشکل کے اندر انسان کے لیے کوئی نہ کوئی سبق موجود ہے اور ہر اندھیری رات اپنے دامن میں ایک صبح ضرور رکھتی ہے۔

**معزز سامعین!** میرے آج کے موضوع "حسِ مزاح، انسان کی چھٹی حس اور زندگی کے ہر مقام سے گزرنے کا ہنر" سے مراد یہ ہے کہ جب زندگی کے تلخ حوادث انسان کے اعصاب پر سوار ہونے لگتے ہیں، جب حالات کا بوجھ دل کو تھکا دیتا ہے اور جب مسلسل پریشانیاں انسان کی سوچ کو اپنی گرفت میں لینے لگتی ہیں تو یہی حسِّ مزاح ایک ڈھال بن کر اس کے جذبات کا توازن برقرار رکھتی ہے۔ انسان اگر ہر تلخی کو دل پر نقش کر لے، ہر ناکامی کو اپنی شکست سمجھ لے اور ہر مشکل کو اپنی قسمت کا آخری فیصلہ

مان بیٹھے تو زندگی بوجھ بن جاتی ہے۔ لیکن جب وہ سختیوں پر جلنے کُڑھنے کے بجائے ان کے کسی لطیف اور مثبت پہلو کو دیکھنا سیکھ لیتا ہے تو اس کے اندر صبر، برداشت اور ظرف کی وہ وسعت پیدا ہونے لگتی ہے جو اسے مایوسی کے اندھیروں سے نکال کر اطمینانِ قلب کی وادی میں لے جاتی ہے۔

حسِّ مزاح ہمیں یہ نہیں سکھاتی کہ زندگی کے دکھوں پر ہنسو بلکہ یہ سکھاتی ہے کہ دکھوں کے باوجود مسکرانا نہ بھولو۔ یہ انسان کو حالات سے فرار نہیں سکھاتی بلکہ حالات کے درمیان زندہ رہنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ یہی وہ صفت ہے جو کبھی ایک مسکراہٹ کے ذریعے دل کا بوجھ ہلکا کرتی ہے، کبھی ایک لطیف جملے سے ماحول کی کشیدگی توڑ دیتی ہے اور کبھی انسان کو اپنے ہی دکھ کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کی بصیرت عطا کرتی ہے۔ شاید اسی لیے حسِّ مزاح محض ہنسنے ہنسانے کی صلاحیت نہیں بلکہ زندگی کو سمجھنے کی ایک لطیف بصیرت ہے۔ یہ وہ ہُنر ہے جو انسان کو ہنساتے ہنساتے زندگی کے ہر کٹھن مقام سے وقار کے ساتھ گزرنا سکھا دیتا ہے۔ یہ لطیف اور متوازن سوچ کسی انسان میں خود بخود پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہی محض فکری کاوشوں سے انسان اس مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے پیچھے ایک ایسی باطنی تربیت کارفرما ہوتی ہے جو انسان کے دل کو سکون اور طبیعت کو بشاشت عطا کرتی ہے۔ اس باطنی سکون اور بشاشتِ قلبی کا سچا منبع خدائے بزرگ وبرتر کا وہ مقدس کلام ہے جو انسان کو زندگی کے ہر حال میں اعتدال، شائستگی، صبر اور امید کی راہ دکھاتا ہے۔

**معزز حاضرین!** قرآنِ کریم پر تدبّر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دینِ اسلام انسان کو کوئی متوحّش، خشک یا مایوسانہ زندگی گزارنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ وہ انسان کے اندر ایک ایسا پُرسکون، کُھلا اور بشّاش رویّہ پیدا کرنا چاہتا ہے جو زندگی کی تلخیوں کے درمیان بھی امید کی روشنی اور مسکراہٹ کی جوت جگائے رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے سچے مؤمنوں کی ایک عظیم صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان 64)

کہ رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو (جواباً) کہتے ہیں "سلام"۔

ذرا اس قرآنی تعلیم کی گہرائی دیکھیں۔ ایک کمزور انسان بھی غصّہ کر سکتا ہے مگر اپنے غصّے کو روک کر وقار کے ساتھ گزر جانا طاقتور انسان کی علامت ہے۔ ہر بات کا جواب دینا عقل مندی نہیں اور ہر تلخی کو اپنے دل میں جگہ دینا بھی دانش مندی نہیں۔ بعض اوقات انسان کی سب سے بڑی فتح یہی ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی بات کو جواب دینے کے قابل ہونے کے باوجود جواب نہ دے جو اس کے سکون کو برباد کر سکتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حسِّ مزاح بھی انسان کی مدد کرتی ہے۔ جس شخص کے اندر ذہنی کشادگی ہو وہ ہر بات کو اپنے خلاف جنگ نہیں سمجھتا۔ وہ کبھی ایک تلخ جملے کو دل پر بوجھ بنانے کے بجائے اس کے مضحکہ خیز پہلو کو دیکھ لیتا ہے۔ کبھی کسی نامناسب بات کو نظر انداز کر دیتا ہے اور کبھی مسکرا کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ یوں وہ نہ صرف اپنے سکون کو محفوظ رکھتا ہے بلکہ دوسرے کے لیے بھی ایک ایسا آئینہ بن جاتا ہے جس میں اسے اپنی سختی اور بے اعتدالی دکھائی دینے لگتی ہے۔

یہ سلامتی، شائستگی اور ضبطِ نفس دراصل اسی ظرف اور لطافت کی بنیاد ہیں جو انسان کے اندر حلم، بردباری اور ایک صحت مند حسِّ مزاح پیدا کرتی ہیں۔ حقیقی مزاح وہاں جنم لیتا ہے جہاں دل میں کینہ کم اور وسعت زیادہ ہو، جہاں انسان ہر اختلاف کو دشمنی نہ سمجھے اور جہاں مسکراہٹ کمزوری نہیں بلکہ کردار کی طاقت بن جائے۔

**حاضرینِ محترم!** کلامِ الٰہی میں خدائے رحمن نے اپنے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کی اس نرمی اور شائستگی کو اپنی خاص رحمت قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران 160)

یعنی اللہ کی خاص رحمت کی وجہ سے تُو ان کے لئے نرم ہو گیا اور اگر تُو تند خو (اور) سخت دل ہوتا تو وہ ضرور تیرے گرد سے دُور بھاگ جاتے۔

ذرا غور فرمائیں! قرآنِ کریم نے دلوں کو جیتنے کا راز کہاں رکھا ہے؟ سختی میں نہیں بلکہ نرمی میں۔ غصّے میں نہیں بلکہ تحمّل میں۔ تُرش روئی میں نہیں بلکہ شائستگی میں۔ سخت گیری فاصلے پیدا کرتی ہے اور نرمی دلوں کو قریب لاتی ہے۔ شکن آلود پیشانی ماحول کو بوجھل کر دیتی ہے جبکہ ایک سچی مسکراہٹ کبھی کبھی وہ کام کر دیتی ہے جو طویل گفتگو بھی نہیں کر سکتی۔ یہاں حسِّ مزاح کی اصل قدر بھی سامنے آتی ہے۔ مسکراہٹ صرف چہرے کا ایک تاثر نہیں بلکہ بعض اوقات یہ دوسرے انسان کو یہ پیغام دیتی ہے کہ مَیں تم سے لڑنے نہیں آیا۔ مَیں اختلاف کر سکتا ہوں مگر دشمنی نہیں چاہتا۔ مَیں تمہاری بات سے متفق نہیں مگر تمہیں انسان سمجھنا نہیں بھولا۔

اور یہی وہ اخلاقی بلندی ہے جو تعلقات کو ٹوٹنے سے بچاتی ہے۔

قرآنِ کریم ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ جب انسان پر کسی واقعے کی حقیقت واضح ہو جائے تو بدگمانی پر کُڑھنے یا غصّہ کرنے کے بجائے اس میں حکمت کا پہلو تلاش کرنا اور شکر کے جذبات پیدا کرنا انبیاء کے عالی ظرف اسوہ کا حصّہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سفر کا واقعہ یاد کریں۔ آپ کا لشکر وادیٔ نمل سے گزر رہا تھا تو نملہ قوم کے ایک شخص نے اپنے لوگوں کو متنبّہ کرتے ہوئے کہا کہ اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں اپنے

قدموں تلے کچل ڈالے۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے: فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا (النمل 20) یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی یہ بات سن کر مسکرا دیے اور ہنس پڑے۔

ایک زبردست فاتح اور نبی نے اس انسان کی احتیاط اور بدگمانی پر غصّہ کرنے کے بجائے اسے ایک لطیف اور شائستہ تبسّم سے لیا اور فوراً ربّ کے حضور شکر کی توفیق مانگنے لگے کہ اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ مَیں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہیں۔ یہ تبسّم ظرف کی اس بلندی کو ظاہر کرتا ہے جہاں انسان تلخ سے تلخ صورتِ حال میں بھی مسکراہٹ اور شکر کا پہلو ڈھونڈ لیتا ہے۔ گویا حقیقی حسِّ مزاح وہ ہے جو انسان کو دوسروں پر ہنسنے کے بجائے حالات کی نزاکت کو مسکرا کر سمجھنے کا ہنر دے۔

کلامِ الٰہی ہمیں ایک اور گہرا اور حکمت سے پُر سبق دیتا ہے کہ زندگی کی آزمائشوں اور تلخیوں پر دل چھوٹا کرنا یا ہر مشکل پر شکوہ کناں ہو جانا مؤمن کا شیوہ نہیں۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے: فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الانشراح 6) کہ بے شک ہر تنگی اور دشواری کے ساتھ آسانی جُڑی ہوئی ہے۔ یہ آیت صرف ایک تسلّی نہیں بلکہ زندگی کو دیکھنے کا ایک پورا زاویہ عطا کرتی ہے۔ جو شخص اس ربّانی حقیقت کو اپنے دل میں جگہ دے دیتا ہے اس کے لیے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت بھی آخری منزل نہیں رہتی بلکہ ایک عارضی مرحلہ بن جاتی ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ مشکل ہمیشہ نہیں رہتی۔ غم ہمیشہ نہیں رہتا۔ ناکامی ہمیشہ نہیں رہتی۔ حالات ایک جیسے نہیں رہتے۔ اس لیے وہ زندگی کے کسی کٹھن موڑ پر رک کر اپنی شکست کا اعلان نہیں کرتا بلکہ دل کو سنبھالتا ہے اور آگے بڑھتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں حسِّ مزاح انسان کی زندگی میں ایک خاموش قوّت بن جاتی ہے۔ جس شخص کو یقین ہو کہ مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے وہ مشکل کو اپنی پوری کائنات نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے دکھ کو دیکھتا ہے مگر دکھ کو اپنی پوری ذات نہیں بننے دیتا۔ وہ مصیبت کو محسوس کرتا ہے مگر مایوسی کو اپنے دل کا مستقل مکین نہیں بناتا۔ وہ کبھی حالات کے بیچ ایک مسکراہٹ تلاش کر لیتا ہے۔ کبھی اپنے ہی کسی معمولی واقعے پر ہنس لیتا ہے۔ کبھی کسی مشکل صورتِ حال کو نئے زاویے سے دیکھ لیتا ہے اور یوں اس کے اندر یہ شعور زندہ رہتا ہے کہ زندگی صرف وہ نہیں جو اس وقت میرے سامنے ہے بلکہ زندگی اس امید کا نام بھی ہے جو ابھی میرے سامنے آنا باقی ہے۔ یہی پُرسکون رویہ، یہی بشاشتِ قلبی، یہی متوازن سوچ اور یہی امید، انسان کے اعصاب کو سکون عطا کرتی ہے۔ یہی اسے تلخی کے باوجود تلخ ہونے سے بچاتی ہے۔ یہی اسے آزمائش کے باوجود ٹوٹنے نہیں دیتی اور یہی اسے زندگی کے ہر کٹھن مقام سے وقار، شائستگی اور مسکراہٹ کے ساتھ گزرنے کا ہنر عطا کرتی ہے۔

**سامعین!** قرآنِ کریم کی اس روشن ہدایت کے بعد جب ہم اس دنیا کی سب سے کامل اور معطّر شخصیت یعنی ہمارے آقا و مولا حضرت **محمد مصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک نہایت خوب صورت حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے۔ شائستہ حسِّ مزاح، تبسّم اور خوش طبعی آپؐ کی بابرکت زندگی کا ایک لازمی اور حسین جزو تھے۔ آپؐ کا تبسّم محض چہرے کی رونق نہ تھا بلکہ وہ دلوں کے لیے مرہم تھا۔ وہ غم زدہ انسان کے لیے تسلّی تھا۔ وہ خوف زدہ شخص کے لیے اطمینان تھا اور وہ تھکے ہوئے دل کے لیے امید کا ایک روشن چراغ تھا۔ آپؐ کا مبارک وجود کوئی خشک یا رعب آمیز زاہد کا وجود نہ تھا بلکہ آپؐ انسانوں میں سب سے زیادہ نرم خو، خوش مزاج اور تبسّم فرمانے والے تھے۔ آپؐ کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ صرف خوشی کے لمحات میں نہیں آتی تھی بلکہ آپؐ کا تبسّم دوسروں کے دلوں میں خوشی پیدا کرنے کا ذریعہ بھی بنتا تھا۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

مَا رَآنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي (صحیح بخاری)

یعنی مَیں جب سے اسلام لایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جب بھی دیکھا آپؐ کے رُخِ انور پر ایک دل نشین مسکراہٹ سج گئی۔

ایک انسان کو یہ احساس دلانے کے لیے کہ تم میرے لیے قابلِ قبول ہو، تم میرے قریب ہو، تمہاری آمد میرے لیے باعثِ خوشی ہے، کبھی طویل تقریر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ایک مسکراہٹ کافی ہوتی ہے۔ آپؐ کی یہ مسکراہٹ محض ظاہری تبسّم نہ تھی بلکہ سامنے والے کے غموں کو دھو ڈالنے والی ایک باطنی شفقت تھی۔ اسی لیے آپؐ کے قریب بیٹھنے والا صرف آپؐ کی گفتگو سے نہیں بلکہ آپؐ کے چہرۂ مبارک کی بشاشت سے بھی تربیت پاتا تھا۔

آپؐ کے مزاجِ مبارک کی لطافت اور پاکیزہ مزاح کا عالَم یہ تھا کہ آپؐ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے گفتگو فرماتے تو ان کے دلوں کا بوجھ ہلکا ہو جاتا لیکن آپؐ کے مزاح میں بھی کبھی سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ ایک صحابی نے آپؐ سے سواری کے لیے اونٹ مانگا تو آپ نے نہایت شائستگی اور لطافت سے فرمایا: إِنَّا حَامِلُوكَ عَلَى وَلَدِ النَّاقَةِ (سنن ابوداؤد) یعنی ہم تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے۔

وہ صحابی بڑے متعجّب ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! مَیں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ وہ تو مجھے اٹھا بھی نہ سکے گا۔ آپؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: وَهَلْ تَلِدُ الإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ (سنن ابوداؤد) یعنی کیا اونٹنی کے سوا بھی کوئی اونٹ کو جنم دیتی ہے؟

ایک سادہ سی حقیقت کو آپؐ نے کس لطیف انداز میں بیان فرمایا۔ آپؐ نے کوئی جھوٹ نہیں بولا، کوئی غیر اخلاقی مذاق نہیں کیا اور نہ کسی کی دل آزاری کی۔ صرف الفاظ کے ایک لطیف زاویے نے ماحول کو خوش گوار بنا دیا۔ یہی پاکیزہ مزاح ہے۔ اس میں ہنسی بھی ہے اور سچائی بھی۔ اس میں خوش طبعی بھی ہے اور تربیت بھی۔ اس میں لفظوں کی شرارت ہے مگر دل کی پاکیزگی کے ساتھ۔

**معزز سامعین!** حضرت زاہر رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو حسنِ مزاح، محبت اور انسانی قدر و قیمت کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے جسے پڑھ کر دل بے اختیار مسکرا اٹھتا ہے۔ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ دیہات سے تحائف لایا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں شہر کی اشیاء عطا فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبت سے فرمایا کرتے تھے:

زَاهِرٌ بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوهُ (مسند احمد)

ایک دن حضرت زاہر رضی اللہ عنہ بازار میں اپنا سامان فروخت کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے تشریف لائے اور محبت سے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا اور ان کی آنکھیں چھپا لیں۔ زاہر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟۔ پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ تو رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو وہ اپنی پشت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے رگڑنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ مزاح آواز لگائی: مَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ؟ (مسند احمد) کہ اس غلام کو کون خریدے گا؟ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! اگر آپ مجھے بیچیں گے تو مجھے کھوٹا اور کم قیمت پائیں گے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے فرمایا: لَكِنْ عِنْدَ اللهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ (مسند احمد) لیکن اللہ کی نظر میں تم کم قیمت نہیں بلکہ بہت قیمتی ہو۔

**حاضرینِ گرامی!** یہ صرف ایک مزاحیہ جملہ نہیں تھا۔ یہ انسان کی اصل قدر کا اعلان تھا۔ دنیا بازار میں انسان کی قیمت اس کے لباس، دولت، شکل، منصب اور سماجی حیثیت سے لگاتی ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زاہر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ انسان کی اصل قیمت اللہ کے ہاں ہے۔ یہی نبوی مزاح کا کمال ہے۔ ابتدا میں مسکراہٹ پیدا ہوتی ہے مگر اختتام پر دل کو ایک عقیدہ ملتا ہے۔ پہلے انسان ہنستا ہے اور پھر اپنے مقام کے بارے میں سوچنے لگتا ہے۔

سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ درخشاں پہلو ہمیں بتاتا ہے کہ حسنِ مزاح کوئی دنیاوی لاپروائی یا محض وقت گزاری کا رویّہ نہیں۔ یہ دلوں کو جیتنے، مایوسیوں کو دُور کرنے اور زندگی کے معرکوں کو آسانی سے سر کرنے کی ایک نبوی حکمت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت سے سخت حالات سے گزرے۔ جنگوں کا سامنا کیا۔ مخالفت برداشت کی۔ اپنے عزیزوں کی جدائیاں دیکھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آزمائشوں میں دیکھا اور ایک پوری امت کی تربیت کی ذمّہ داری اٹھائی۔ مگر ان عظیم ذمّہ داریوں نے آپؐ کے چہرے کی بشاشت کو ختم نہیں کیا۔

یہاں ایک بہت بڑا سبق پوشیدہ ہے۔ زندگی کی سنجیدگی اور چہرے کی سنجیدگی ایک چیز نہیں۔

انسان اپنی ذمّہ داریوں میں انتہائی سنجیدہ ہو سکتا ہے مگر اس کے باوجود خوش مزاج رہ سکتا ہے۔ وہ دنیا کے دکھوں کو سمجھ سکتا ہے مگر خود ہر وقت دکھ کا چہرہ نہیں بنانا پڑتا۔ وہ حالات کی سنگینی کو محسوس کر سکتا ہے مگر اپنے ارد گرد کے لوگوں کے لیے زندگی کو مزید بوجھل بنانے کی ضرورت نہیں۔ اسی لیے آپؐ کا تبسّم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے محض مسکراہٹ نہیں تھا۔ یہ حوصلہ تھا۔ یہ قربت تھی۔ یہ محبت تھی۔ یہ نفسیاتی سہارا تھا۔

سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس درخشاں اور معطّر پہلو میں لطافت، شفقت اور پاکیزہ ظرافت کی اتنی تابناک مثالیں موجود ہیں کہ انسان کے دل کی وادیاں کِھل اٹھتی ہیں اور یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ تبسّم انسانی روح کی بڑی طاقت ہے۔ ایک مرتبہ ایک ضعیفہ خاتون خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے جنّت میں داخل فرمائے۔ آپؐ نے نہایت لطیف انداز میں فرمایا: يَا أُمَّ فُلَانٍ إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوزٌ (شمائل ترمذی) یعنی اے فلاں کی ماں! بوڑھی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔ وہ خاتون یہ سن کر غمگین ہوئیں اور رونے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حقیقت واضح فرمائی کہ وہ بوڑھی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہو گی بلکہ اللہ تعالیٰ جنتی عورتوں کو جوانی کی حالت میں داخل فرمائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی یہ آیات تلاوت فرمائی: إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً۔ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا (الواقعہ 37-36)

ذرا دیکھیں! ایک سنجیدہ قرآنی حقیقت کو آپؐ نے کس محبت، لطافت اور خوش طبعی کے ساتھ بیان فرمایا۔ مقصد کسی دل کو دکھانا نہیں تھا بلکہ ایک لمحے کے لیے حیرت پیدا کر کے پھر اطمینان عطا کرنا تھا۔ یہی تو حقیقی حسنِ مزاح ہے۔ انسان کے چہرے پر مسکراہٹ لانا مگر اس کے دل میں کوئی کانٹا نہ چھوڑنا۔

**حاضرینِ محترم!** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی صرف بڑوں تک محدود نہ تھی۔ آپؐ بچوں کی نفسیات کو بھی سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ ان کی عمر اور مزاج کے مطابق ایسے ہلکے پھلکے اور شائستہ انداز میں گفتگو فرماتے کہ ان کا خوف اور جھجک ختم ہو جاتی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی حضرت ابو عمیر رضی اللہ عنہ کا ایک چھوٹا پرندہ تھا جسے عربی میں نُغَیر کہا جاتا ہے۔ جب وہ پرندہ مر گیا تو بچہ اداس رہنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس کے پاس سے گزرتے تو اس کی اداسی دور کرنے کے لیے مسکراتے ہوئے فرماتے: يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟ (صحیح بخاری) یعنی اے ابو عمیر! تمہاری اس چھوٹی چڑیا کو کیا ہوا؟

یہ ایک معمولی سا جملہ معلوم ہوتا ہے مگر اس میں انسانی نفسیات کی کتنی گہری سمجھ موجود ہے۔ ایک بڑے انسان کے لیے شاید پرندے کی موت ایک معمولی واقعہ ہو مگر بچے کے لیے وہ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا دکھ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دکھ کو حقیر نہیں سمجھا۔ آپؐ نے بچے کے دکھ کو اس کی اپنی دنیا میں جا کر سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کا مزاح دل کو چھوتا تھا۔ آپؐ کسی کے دکھ پر نہیں ہنستے تھے بلکہ دکھ میں مبتلا انسان کے ساتھ ہنسنے کی کوئی وجہ تلاش کرتے تھے۔

**معزز سامعین!** گھریلو زندگی اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ آپؐ کے رویّے میں بھی تبسّم، محبت اور خوش طبعی بے مثال تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگے بھیج دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تَعَالَيْ حَتَّى أُسَابِقَكِ (سنن ابوداؤد) یعنی آؤ! ذرا میرے ساتھ دوڑ لگاؤ۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دُبلی پتلی تھیں تو وہ دوڑ میں آگے نکل گئیں۔ کچھ عرصے بعد ایک دوسرے سفر میں آپؐ نے دوبارہ ان کے ساتھ دوڑ لگائی۔ اس مرتبہ آپؐ آگے نکل گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا: هَذِهِ بِتِلْكَ (سنن ابوداؤد) کہ یہ میری اس پہلی ہار کا بدلہ ہو گیا۔

ذرا دیکھیے! ازدواجی زندگی میں محبت صرف بڑے بڑے الفاظ کا نام نہیں۔ کبھی ایک ساتھ چلنے میں محبت ہے، کبھی ساتھ بیٹھنے میں محبت ہے، کبھی ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنے میں محبت ہے اور کبھی ایک پُرانی خوش گوار بات کو یاد کر کے مسکرا دینے میں محبت ہے۔ یہ نبوی اسوہ ہمیں بتاتا ہے کہ گھر کو صرف ذمّہ داریوں سے نہیں بلکہ محبت، مسکراہٹ اور خوش مزاجی سے بھی آباد رکھا جاتا ہے۔

جب کسی صحابی سے کوئی انسانی غلطی ہو جاتی تو آپؐ سخت گیر استاد کی طرح محض غصّے سے اصلاح نہیں فرماتے تھے بلکہ موقع کی مناسبت سے حکمت، شفقت اور کبھی لطیف اندازِ گفتگو سے تربیت فرماتے تھے۔ ایک صحابی رمضان کے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے قربت کر بیٹھے اور گھبرا کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مَیں ہلاک ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کفّارہ دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ اتنے میں آپؐ کی خدمت میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسے صدقہ کر دو۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! کیا مجھ سے بھی زیادہ کسی فقیر کو دوں؟ خدا کی قسم! مدینے کے دونوں پہاڑوں کے درمیان مجھ سے زیادہ غریب کوئی گھرانہ نہیں۔ یہ سن کر رحمتِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مسکرائے کہ آپؐ کے دندانِ مبارک نظر آنے لگے اور فرمایا: أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ (صحیح بخاری) کہ جاؤ اور یہ اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔

**سامعین کرام!** یہ تمام شواہد پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کی سنگینیوں، دشمنوں کے ظلم و ستم اور عظیم الشان ذمّہ داریوں کے باوجود اپنے چہرے کی بشاشت کو ماند نہیں پڑنے دیا۔ آپؐ
کی سنّت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ شائستہ خوش طبعی اور مسکراہٹ کوئی فضول کام نہیں۔ یہ انسان کے اعصاب کو مضبوط رکھنے، دلوں کو قریب لانے، غموں کا بوجھ ہلکا کرنے اور زندگی کے کٹھن مرحلوں کو سہنے کا ایک مؤثر نبوی ذریعہ ہے۔ آپؐ نے ہمیں یہ نہیں سکھایا کہ زندگی کے دکھوں سے آنکھیں بند کر لو بلکہ یہ سکھایا کہ دکھوں کے باوجود دل کو زندہ رکھو۔ مشکلات آئیں تو حوصلہ نہ چھوڑو۔ غم آئے تو امید نہ چھوڑو۔ ذمّہ داریاں بڑھیں تو مسکراہٹ نہ چھوڑو اور حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہو جائیں انسانیت، محبت اور شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ کیونکہ جو انسان مسکرانا بھول جاتا ہے وہ صرف اپنے چہرے کی رونق نہیں کھوتا بلکہ کبھی کبھی اپنے دل کی وسعت بھی کھو دیتا ہے اور جو انسان پاکیزہ مسکراہٹ کو اپنی زندگی کا حصّہ بنا لیتا ہے وہ مشکلات کو ختم نہ بھی کر سکے تو کم از کم ان کے نیچے دبنے سے ضرور بچ جاتا ہے۔ یہی وہ نبوی ہُنر ہے جو انسان کو زندگی کے ہر کٹھن مقام سے گزرنا سکھاتا ہے۔

سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معطّر روشنی میں جب ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی زندگیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک نہایت روشن حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے۔ قرآن اور صاحبِ قرآنؐ کی تربیت نے ان نفوس کو کس قدر شائستہ، خوش طبع، متوازن اور عالی ظرف بنا دیا تھا۔ وہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت تھی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تھی، دین کے لیے غیر معمولی غیرت تھی اور آپس میں بے مثال محبت تھی۔ وہ ہنستے بھی تھے، مسکراتے بھی تھے، ایک دوسرے سے دل لگی بھی کرتے تھے مگر جب حق کا معاملہ سامنے آتا تو ان کی پوری زندگی سنجیدگی، استقامت اور قربانی کی تصویر بن جاتی تھی۔ گویا ان کی خوش طبعی نے ان کی سنجیدگی کو کم نہیں کیا تھا بلکہ ان کی سنجیدگی کو متوازن رکھا تھا۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے باہمی رویّوں اور مزاج کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک نہایت دلچسپ اور ایمان افروز حقیقت بیان فرمائی ہے۔ حضرت بکر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَادَحُونَ بِالْبِطِّيخِ، فَإِذَا كَانَتِ الْحَقَائِقُ كَانُوا هُمُ الرِّجَالَ (الادب المفرد) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپس میں تربوز کے چھلکے ایک دوسرے کی طرف پھینک کر خوش طبعی اور دل لگی کیا کرتے تھے لیکن جب حقیقت کا کوئی سنگین مرحلہ سامنے آتا تو یہی لوگ حقیقی مرد ثابت ہوتے تھے۔

یہ چند الفاظ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی پوری شخصیت کا ایک حسین نقشہ ہمارے سامنے کھینچ دیتے ہیں۔ وہ زندگی کے عام لمحات میں ہلکے پھلکے اور خوش مزاج تھے لیکن دین کے معاملے میں پہاڑ کی طرح مضبوط تھے۔ وہ دوستوں کے ساتھ مسکرا سکتے تھے مگر حق کے مقابلے میں جھک نہیں سکتے تھے۔ یہاں ہمیں حسِ مزاح کا ایک نہایت اہم اصول ملتا ہے۔ خوش مزاج ہونا غیر سنجیدہ ہونا نہیں اور سنجیدہ ہونا بد مزاج ہونا نہیں۔

بد قسمتی سے بعض لوگ دینداری کو چہرے کی سختی، گفتگو کی خشکی اور طبیعت کی ترشی کے ساتھ جوڑ لیتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی زندگی اس تصوّر کی تردید کرتی ہے۔ تقویٰ انسان کو پتھر نہیں بناتا بلکہ انسان بناتا ہے۔ دین انسان کے چہرے سے بشاشت چھیننے نہیں آتا بلکہ دل کو ایسی مضبوطی عطا کرتا ہے کہ انسان مشکل کے باوجود مسکرا سکے۔

صحابیِ رسول حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا واقعہ حسّ مزاح اور حاضر جوابی کی ایک نہایت لطیف مثال ہے۔ ایک مرتبہ ان کی آنکھ میں تکلیف تھی اور وہ کھجوریں کھا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا: صہیب! آنکھ میں تکلیف ہے اور تم کھجوریں کھا رہے ہو؟ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی حاضر جوابی کا خوب صورت مظاہرہ کرتے ہوئے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّمَا آكُلُ مِنْ نَاحِيَةِ عَيْنِي الصَّحِيحَةِ (سنن ابن ماجہ) کہ یا رسول اللہؐ! مَیں تو اس طرف سے کھا رہا ہوں جس طرف میری آنکھ صحیح ہے۔

ایک معمولی سی گفتگو کس طرح ایک خوش گوار لمحے میں بدل گئی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نہ کوئی ناشائستہ بات کی، نہ اپنی تکلیف کو شکایت بنایا اور نہ مجلس کے ماحول کو بوجھل ہونے دیا۔ انہوں نے اپنی حاضر جوابی سے ایک مسکراہٹ پیدا کر دی۔ یہی حسّ مزاح کی خوب صورتی ہے۔ انسان اپنے حالات کو بدل نہ سکے تو کم از کم ان حالات کو دیکھنے کا زاویہ ضرور بدل سکتا ہے۔

**میرے بھائیو!** ایک اور جلیل القدر صحابی حضرت نعیمان بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ اپنی بے ساختہ ظرافت اور پاکیزہ مزاح کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں مشہور تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں صحابہ کرام کا ایک تجارتی قافلہ بصریٰ کی طرف گیا۔ اس قافلے میں حضرت سویبط بن حرملہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھانے پینے کا سامان تھا۔ حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ کو بھوک لگی تو انہوں نے سویبط رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے کچھ کھانا دے دو۔ سویبط رضی اللہ عنہ نے امانت داری کی وجہ سے کہا کہ جب تک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس نہیں آتے مَیں یہ سامان نہیں دے سکتا۔ حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر فرمایا: اچھا! پھر دیکھو مَیں تمہارا کیا بناتا ہوں۔ وہ قریب ہی موجود عربوں کے ایک قافلے کے پاس گئے اور کہا: میرا ایک چاق و چوبند اور عقل مند غلام ہے لیکن وہ دعویٰ کرتا ہے کہ مَیں آزاد ہوں۔ اگر تم اسے خریدنا چاہو تو صرف دس اونٹنیوں کے بدلے اسے بیچتا ہوں۔ وہ لوگ حضرت سویبط رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں پکڑ لیا۔ سویبط رضی اللہ عنہ چلاتے رہے کہ مَیں آزاد ہوں، مَیں غلام نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری یہ بات ہمیں پہلے ہی معلوم ہے اور وہ انہیں لے گئے۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس آئے اور پورا واقعہ معلوم ہوا تو صحابہ کرام، حضرت سویبط رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے گئے۔ اونٹنیاں واپس کی گئیں اور حضرت سویبط رضی اللہ عنہ کو آزاد کرایا گیا۔

جب یہ پورا واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار ہوا تو آپؐ اور صحابہ کرام اس واقعے کو یاد کر کے مدّت تک مسکراتے رہے۔

یہ مقدّس نفوس جن کی تربیت خود کائنات کے سب سے بڑے معلّم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ حسِّ مزاح اور خوش طبعی انسان کے اعصاب کو ہلکا پھلکا اور دل کو زندہ رکھتی ہے۔ وہ مصائب سے بھی گزرے۔ فقر و فاقہ بھی دیکھا۔ جنگوں کے کٹھن ترین حالات بھی برداشت کیے۔ اپنوں کی جدائیاں بھی دیکھیں اور دشمنوں کی سختیاں بھی سہیں۔ مگر ان کی باہمی محبت، شائستہ ظرافت اور مسکراہٹ نے ان کے جذبات کو مرجھانے نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے چہرے زندگی کی سختیوں سے بے نور نہیں ہوئے بلکہ ایمان کی روشنی سے منوّر رہے۔

حسِّ مزاح دراصل زندگی سے فرار کا نام نہیں بلکہ زندگی کا سامنا کرنے کی ایک خوب صورت قوت ہے۔ یہ انسان کو مشکل سے نکال نہیں دیتی مگر مشکل کے اندر سانس لینا سکھا دیتی ہے۔ یہ مصیبت کو ختم نہیں کرتی مگر مصیبت کے بوجھ کو ہلکا ضرور کر دیتی ہے۔ یہ حالات کو ہمیشہ نہیں بدلتی مگر انسان کے اندر حالات سے نمٹنے کی صلاحیت ضرور پیدا کرتی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ایک سچی مسکراہٹ کبھی کبھی انسان کو وہاں سے گزار دیتی ہے جہاں صرف طاقت، دولت یا عقل بھی اسے آسانی سے نہیں گزار سکتی۔

پس شائستہ حسِّ مزاح کمزوری نہیں بلکہ ظرف ہے۔ مسکراہٹ سطحیت نہیں بلکہ کبھی کبھی گہری بصیرت کی علامت ہوتی ہے اور خوش طبعی لاپروائی نہیں بلکہ زندگی کے بوجھ کو حکمت کے ساتھ اٹھانے کا ہنر ہے۔ یہی وہ ہُنر ہے جو انسان کو زندگی کے کٹھن ترین مقام سے بھی بآسانی، شائستگی اور وقار کے ساتھ گزار دیتا ہے۔

اگر حسِّ مزاح محض ہنسنے ہنسانے کا نام ہوتی تو اسے انسانی تربیت کے ایک اہم وسیلے کی حیثیت حاصل نہ ہوتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کلام میں جہاں سنجیدہ علمی اور روحانی مسائل کو نہایت گہرائی سے بیان فرمایا ہے، وہاں بعض مواقع پر حکایات اور لطیف واقعات بھی بیان فرمائے ہیں۔ تاہم غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حکایات کے پس پردہ محض مسکراہٹ نہیں بلکہ ایک گہرا تربیتی مقصد بھی کارفرما ہے۔ آپ علیہ السلام کا اسلوب یہ ہے کہ کبھی ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ذریعے ایسی غلطی کی نشان دہی فرما دیتے ہیں جسے ایک طویل تقریر بھی شاید اتنی مؤثر طور پر واضح نہ کر سکے۔ کبھی مزاح کے پردے میں کوئی ایسا علمی نکتہ سامنے رکھتے جو دیر تک ذہن میں محفوظ رہتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حسِّ مزاح انسان کی چھٹی حِس بن کر تربیت کا ذریعہ بنتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کی غلط تاویلیں کرنے والے بعض جاہل علماء کی حالت بیان کرتے ہوئے بھی ایک نہایت لطیف حکایت بیان فرمائی۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ان کی اس نقطہ دانی پر مجھے ایک پوستی کی حکایت یاد آئی۔ وہ یہ ہے کہ ایک پوستی کے پاس ایک لوٹا تھا اور اس میں ایک سوراخ تھا۔ جب رفعِ حاجت کو جاتا، اس سے پیشتر کہ وہ فارغ ہو کر طہارت کرلے، سارا پانی لوٹے سے نکل جاتا۔ آخر کئی دن کی سوچ اور فکر کے بعد اس نے یہ تجویز نکالی کہ پہلے طہارت ہی کر لیا کریں اور اپنی اس تجویز پر بہت ہی خوش ہوا۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 177)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مخالفین کے شور اور مخالفت کو بھی ایک نہایت لطیف مثال کے ذریعے سمجھایا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"اعداء کا وجود ہمارا نقارہ ہے۔ یہ انہی کی مہربانی ہے کہ تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ مثنوی میں ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک چور ایک مکان کو نقب لگا رہا تھا۔ ایک شخص نے اوپر سے دیکھ کر کہا کہ کیا کرتا ہے؟ چور نے کہا کہ نقارہ بجا رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا آواز تو نہیں آتی۔ چور نے جواب دیا کہ اس نقارہ کی آواز صبح کو سنائی دیوے گی اور ہر ایک سنے گا۔ ایسے ہی یہ لوگ شور مچاتے ہیں اور مخالفت کرتے ہیں تو لوگوں کو خبر ہوتی رہتی ہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 372)

**معزز حاضرین!** حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان حکایات سے ہم نے دیکھا کہ پاکیزہ حسِّ مزاح انسان کو اپنی کمزوری پہچاننے، مشکل حالات میں حوصلہ قائم رکھنے، دوسروں کی اصلاح کرنے اور زندگی کے تلخ پہلوؤں کو حکمت کے ساتھ دیکھنے کا سلیقہ عطا کرتی ہے۔ یہی تربیتی رنگ ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی بابرکت شخصیت میں بھی نہایت نمایاں نظر آتا تھا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت ظرافت، برجستگی اور شگفتہ بیانی کا ایک حسین امتزاج تھی۔ آپ کے مزاح میں نہ بناوٹ تھی نہ کسی کی تضحیک اور نہ دل آزاری۔ آپ کی مسکراہٹ میں محبت ہوتی تھی اور آپ کی برجستگی میں تربیت۔ آپ بسا اوقات ایک ایسا جملہ فرما دیتے تھے جس پر مجلس میں ہنسی پھیل جاتی لیکن اس ہنسی کے پیچھے ایک ایسا سبق چھپا ہوتا جو انسان کے ذہن میں دیر تک محفوظ رہتا۔ یہی تو حسِّ مزاح کی اعلیٰ ترین تربیتی صورت ہے کہ انسان کو ہنسایا بھی جائے اور سوچنے پر بھی مجبور کر دیا جائے۔

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک صاحبزادی بیان فرماتی ہیں کہ گھر میں بہت سی خواتین ایک وقت میں زور زور سے باتیں کر رہی تھیں۔ جب حضور رحمہ اللہ تعالیٰ وہاں تشریف لائے تو مسکراتے ہوئے فرمایا:

”مَیں نے خواتین میں یہ بات نوٹ کی ہے کہ سب خواتین بیک وقت بول رہی ہوتی ہیں اور بیک وقت سن بھی رہی ہوتی ہیں اور سمجھ بھی رہی ہوتی ہیں۔ جبکہ مردوں میں ایک بولتا ہے تو دوسرے سنتے ہیں اور اگر یہ نہ ہو تو وہ ایک دوسرے کی بات سمجھ نہیں سکتے۔“

(الفضل ڈائجسٹ، الفضل انٹرنیشنل لندن، 12و19 جون 2023ء)

تمام خواتین بے اختیار ہنس پڑیں۔ لیکن ذرا دیکھیے کہ اس ایک شگفتہ جملے میں کتنی نرم تربیت موجود تھی۔ اگر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ براہِ راست فرماتے کہ ”ایک وقت میں سب نہ بولیں“ تو شاید نصیحت محسوس ہوتی۔ مگر آپ نے وہی بات مزاح کے ایک خوب صورت پیرائے میں کہہ دی اور یوں اصلاح بھی ہوگئی اور کسی کی دل آزاری بھی نہ ہوئی۔

یہاں حسِّ مزاح ہمیں ایک بہت بڑا معاشرتی اصول سکھاتی ہے۔ جو بات محبت سے کہی جاسکتی ہو اسے سختی سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ بعض اوقات ایک مسکراہٹ وہ کام کر دیتی ہے جو ایک لمبی نصیحت نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکیزہ مزاح رشتوں کو توڑتا نہیں بلکہ ان میں نرمی پیدا کرتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی برجستگی کا ایک اَور خوب صورت واقعہ مجالسِ عرفان کا ہے۔ سوال و جواب کی ایک مجلس میں ایک صاحب سوال کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ شاید سوال کے درست ہونے کے بارے میں خود ہی کچھ تردّد تھا۔ انہوں نے ہچکچاتے ہوئے کہا: ”حضور! میرا سوال ذرا غلط ہے۔“ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فوراً نہایت برجستگی اور مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا: ”آپ فکر نہ کریں، مَیں جواب بالکل ٹھیک دوں گا!“۔ یہ ایک جملہ تھا مگر مجلس کشتِ زعفران بن گئی۔ سائل کی جھجک دور ہوگئی اور ماحول کی ساری سنجیدگی ایک خوش گوار مسکراہٹ میں بدل گئی۔

**سامعین!** آج کی اس گفتگو کا آغاز ہم نے اس خیال سے کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پانچ حواس عطا فرمائے ہیں لیکن زندگی صرف دیکھنے، سننے، چھونے، چکھنے اور سونگھنے کا نام نہیں۔ زندگی میں ایسے لمحے بھی آتے ہیں جہاں آنکھیں سب کچھ دیکھ رہی ہوتی ہیں مگر دل ٹوٹ رہا ہوتا ہے۔ کان بہت کچھ سن رہے ہوتے ہیں مگر انسان کے اندر سکون نہیں ہوتا۔ حالات اپنی پوری سختی کے ساتھ سامنے ہوتے ہیں اور انسان کو فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ ان حالات کے نیچے دب جائے یا ان سے گزرنے کا ہُنر سیکھے۔ پس یہاں حسِّ مزاح کام آتی ہے۔ وہ ہمیں بتاتی ہے کہ ہر مشکل کا جواب غم نہیں۔ ہر اختلاف کا جواب غصّہ نہیں۔ ہر تنقید کا جواب انتقام نہیں۔ ہر ناکامی کا مطلب اختتام نہیں اور ہر تلخی کو دل میں بسا لینا بھی ضروری نہیں۔ پس حسِّ مزاح کمزوری نہیں بلکہ ایک ذہنی قوت ہے۔ یہ زندگی سے فرار نہیں بلکہ زندگی کا سامنا کرنے کا سلیقہ ہے۔ یہ دوسروں پر ہنسنا نہیں بلکہ کبھی کبھی اپنے آپ کو بھی مسکرا کر دیکھ لینا ہے۔

(بتعاون: نعیم اللہ باجوہ۔ آسٹریلیا)